مغرب اور اسلام میں کشمکش :
فیصلہ کن مسئلہ، نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

از

خرم مرادؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت کسی ایک خطۂ ارض، یا کسی خاص رنگ ونسل کے لیے نہیں، بلکہ عالمی، کائناتی، ہر رنگ ونسل اور ہر عہد کے لیے تھی۔ یہاں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ جو قائد ورہ نما جتنا عظیم ورفیع ہوتا ہے یا جس قدر اس کی قیادت ورہ نمائی کا دائرہ وسیع ہوتا ہے، اسی سطح سے اس کی مخالفت ومعاندت بھی ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کی ذات کو ہدف بنا کر آپ ﷺ کی شانِ مبارک میں اہانت آمیز کتابیں یا مقالے لکھنا یا کارٹون اور مجسمے بنانا یہ سب باتیں بھی اِسی زمرے میں آتی ہیں۔ رسالت محمدی ﷺ کے خلاف باطل کی یہ جنگ کوئی نئی نہیں ہے۔ یہ جنگ اس وقت سے جاری ہے، جب سے اسلام اور عیسائیت کا آمنا سامنا ہوا۔ اسی وقت سے مغرب نے اسلام کے خلاف اپنی معاندانہ کوششوں کا ہدف ذات رسالت مآب ﷺ کو بنایا ہے۔ زیر نظر کتاب ''مغرب اور اسلام میں کش مکش'' میں محترم خرم مراد رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے جامع انداز میں اس حقیقت پر روشنی ڈالی ہے۔

محترم خرم مرادؒ کی شخصیت تحریکی حلقوں کے لیے جانی پہچانی شخصیت ہے۔ سوز ودردمندی اور گہرائی وگیرائی ان کی تقریر وتحریر کی شناخت ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ مختصر سی کتاب متعلقہ موضوع پر قارئین کی معلومات وبصیرت میں اضافے کا سبب بنے گی۔

ناشر

۱

مغرب اور اسلام میں کشمکش :

فیصلہ کن مسئلہ، نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

آج جب کہ مغرب، مسلسل اسلام اور مسلمانوں کے خلاف طبلِ جنگ بجا رہا ہے اور دنیا کو مستقبل میں اسلام اور مغرب کے درمیان ایک زبردست تہذیبی معرکہ برپا ہونے کی خبر دے رہا ہے۔ ساتھ ہی وہ اپنی طرف سے اس جنگ کے لیے پوری تیاریاں بھی کر رہا ہے اور جو کچھ پیش قدمی اس وقت کرنا ممکن ہیں، وہ بھی کر رہا ہے..... مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا بڑا ضروری ہے کہ وہ اصل مسئلہ کیا ہے جس کے گرد یہ تہذیبی جنگ لڑی جا رہی ہے؟ اور اس جنگ میں فیصلہ کن حیثیت کس ایشو اور کس مسئلے کو حاصل ہے؟

کشمکش کا محرک

شاید کم ہی لوگ ہوں گے جنھیں اس بات کا ادراک ہو یا جو اسے آسانی سے تسلیم کر لیں، لیکن ہمیں اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ اصل اور فیصلہ کن ایشو اور مسئلہ رسالت محمدی ﷺ کی صداقت کا ایشو اور مسئلہ ہے؟ ''کیا محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟''

غارِ حرا میں پہلی وحی آنے کے بعد روزِ اول سے یہی سوال نزاع و جدل کا اصل موضوع تھا اور آج بھی یہی ہے۔ اس وقت بھی انسان اسی بات کے ماننے اور نہ ماننے پر دو کیمپوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور ان کے جواب نے قوموں کے مقدر اور تاریخ و تہذیب کے رخ کا فیصلہ کر دیا تھا، آج بھی اسی سوال پر مستقبل کا مدار ہے۔ یہ کشمکش تو ازلی و ابدی ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

مغرب کے معاشی، سیاسی اور اسٹریٹیجک مفادات کا مسئلہ بھی یقیناً اہم ہے، تیل کے چشمے بھی اہم ہیں۔ اسی لیے مغربی قیادت نے عالمِ اسلام کے قلب میں اسرائیل کا خنجر گھونپا ہے، مسلمان حکمرانوں کو اپنا باج گزار بنایا ہے اور شرق اوسط میں فوجی اڈوں کا جال بچھا لیا ہے۔ مسلمان ملکوں کو کمزور اور بے طاقت کر رہا ہے یا جن سے سرتابی کا شبہ ہے ان کے گلے میں پھندا کس رہا ہے۔ لیکن مفادات کے تنازعات تو

امریکہ، یورپ، جاپان، چین اور روس کے درمیان بھی ہیں۔ ان کی بنا پر ان کے درمیان مستقل دشمنی اور ایک دوسرے کی بربادی کی مشورے اور منصوبے نہیں۔ دراصل مسئلہ مفادات کا نہیں بلکہ یہ ہے کہ یہ مفادات ان لوگوں اور علاقوں میں واقع ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہیں اور آپ ﷺ کے دین کے لیے مرنے کو زندگی سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔

تہذیبی ایشوز کا معاملہ بھی بہت اہم ہے۔ اسی لیے انسانی حقوق کی دہائی ہے' عورتوں کے مقام' ان کی خود اختیاری (Empowerment) اور آزادی (Liberation) پر اصرار ہے، اسلامی قوانین اور حدود کے خلاف دباؤ ہے اور جمہوریت دشمن ہونے کا الزام ہے۔ لیکن دنیا میں بڑی بڑی آبادیاں اور بھی ہیں جو مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ ان ساری مزعومہ تہذیبی اقدار کی خلاف ورزی کی مجرم ہیں اور ان 'تحائف' کی مستحق۔

ظاہر ہے کہ اصل لڑائی ان تہذیبی ایشوز پر بھی نہیں' بلکہ یہ ایشوز تو اس تہذیب کی بربادی کے لیے لاٹھی کا کام کر رہے ہیں، جس کی تشکیل و ترتیب و تکوین، رسالتِ محمدیؐ کے دم سے ہے۔

مغرب کو اچھی طرح معلوم ہے، مسلمان آج اتنے کمزور ہیں کہ سیاسی، معاشی اور فوجی لحاظ سے کسی طرح بھی وہ ان کا عشر عشیر بھی نہیں۔ اہلِ مغرب کو یہ بھی معلوم ہے کہ اگر مسلمان اپنے نظامِ معاشرت و سیاست اور جرم و سزا کی تشکیل اسلام کے مطابق کریں، حجاب اختیار کریں یا حدود نافذ کریں تو بھی مغربی تہذیب کو کوئی گزند نہیں پہنچتا۔ لیکن وہ اس بات کی مسلسل رٹ لگائے جا رہا ہے: ''اسلام کا احیاء اور مسلمان۔ (اس کے الفاظ میں فنڈا منٹلوم یا بنیاد پرستی)۔ دراصل مغرب کی تہذیب، اس کے طرزِ زندگی، اس کی اقدار اور اس کی آج تک کی حاصل کردہ تہذیبی ترقی کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے''۔ ایسا کیوں ہے؟ رسالتِ محمدی ﷺ کی وجہ سے!

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں
عصرِ حاضر کے تقاضوں سے ہے لیکن خوف یہ
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں
الحذر آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظ ناموس زن ' مرد آزما ' مرد آفریں

عام مسلمان اگر تہذیبی جنگ کی اس حقیقت سے بے خبر ہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ جو احیائے اسلام کے علمبردار ہیں، وہ بھی اس حقیقت کا پورا ادراک اور احساس نہیں رکھتے۔ اسی لیے رسالتِ محمدی ﷺ کا ان کے ایجنڈے پر وہ مقام نہیں' جو ہونا چاہیے۔ حالاں کہ تہذیبی جنگ دل اور زندگی جیتنے کی جنگ ہے۔ دل پہلے بھی خاتم الانبیاء محمد ﷺ کی محبت سے مجتمع اور توانا ہوئے تھے' آج بھی اسی محبت سے ایمان، اتحاد اور قوتِ عمل سے سرشار ہوں گے۔ اس کے باوجود رسالت محمدی ﷺ کے لیے انسانوں کے دل اور ان کی زندگیاں مسخر کرنے کے لیے جو کچھ کرنا چاہیے' افسوس صد افسوس کہ وہ نہیں کیا جارہا ہے۔ یہی کچھ کرنے کا احساس اور جذبہ وفکر پیدا کرنا آج ملتِ اسلامیہ کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

اس تصادم کا تاریخی سفر

رسالتِ محمدی ﷺ کے خلاف یورپ کی یہ جنگ کوئی نئی جنگ نہیں ہے۔ جب سے اسلام اور عیسائیت کا آمنا سامنا ہوا ہے' اس وقت سے عیسائیت اور یورپ نے اسلام کے خلاف اپنی جنگ کا مرکز و ہدف ذاتِ محمدیؐ اور رسالتِ محمدی ﷺ کو بنایا ہے۔ محمدؐ کے نام لیوا اچانک صحرائے عرب سے نمودار ہوئے اور پلک جھپکتے میں انھوں نے شام، فلسطین، مصر، لیبیا، تیونس اور الجیریا ۔ جو عیسائیت کے گڑھ تھے ۔ کی زمام کار سنبھال لی۔ نہ صرف انھیں اپنے انتظام میں لیا بلکہ آبادیوں کی آبادیاں برضا و رغبت' رسالتِ محمدی ﷺ کی تابع بن گئیں۔ یہی نہیں، ہزار سال تک اس کا سورج نصف النہار پر چمکتا رہا اور مسیحی پادریوں کی ہزار بددعاؤں، خواہشوں اور ان کے حکمرانوں کی عملی کوششوں کے باوجود وہ ڈھلنے پر نہیں آیا۔

وہ متحیر، شکست خوردہ اور غیظ و غضب کا شکار تھے۔ مزید غصے کی بات یہ تھی کہ ان کی کرسٹالوجی (سیّدنا مسیح کی ابنیت/ ولدیت اور مصلوبیت) اور شریعت کی عدم پابندی کے علاوہ دین اسلام میں کوئی چیز ان کی عیسائیت سے خاص مختلف نہ تھی، بلکہ دونوں میں بڑی یکسانیت تھی۔ وہ حیران و ششدر تھے کہ اس غیر معمولی واقعے کی توجیہ کیا اور کیسے کریں؟ اس کا مقابلہ کیسے کریں؟ عیسائیوں کو مسلمان بننے سے کیسے روکیں؟

ان کو یہی نظر آیا کہ اس سارے "فتنے (نعوذ باللہ) کی جڑ' اور ان کی ساری مصیبت کا سبب محمد ﷺ کی رسالت ہے۔ مسلمانوں کی قوت و شکست کا راز حضور ﷺ پر ایمان و یقین اور آپؐ کی ذات سے والہانہ محبت اور وابستگی ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنا سارا زور یہ بات ثابت کرنے پر لگا دیا کہ (نعوذ باللہ)

حضورﷺ کا دعوائے رسالت درست نہیں تھا اور قرآن آپﷺ کی تصنیف کردہ کتاب ہے، وہ بھی عیسائیوں اور یہودیوں سے مانگ تانگ کر اور مدد لے کر اور اپنے مضامین واسلوب اور بے ربطی و تکرار کی وجہ سے کلامِ الٰہی کہلانے کی مستحق نہیں۔ یا کوئی سنجیدہ علمی مہم بھی نہ تھی۔ مغرب کا دورِ ظلمت (Dark Ages) ہو یا ازمنہ وسطٰی (Medieval Ages) یا روشن خیالی (Enlightenment) ان کے ہاں اس مقصد کے لیے حضورﷺ کے کردار پر انتہائی رکیک الزامات کھڑے کیے گئے اور غلیظ الزامات لگائے گئے۔ آپﷺ کی زندگی کے ہر واقعے کو بدترین معنی پہنائے گئے اور اسے مسخ کر کے پیش کیا گیا۔ یہ الزام لگایا گیا کہ تلوار، خونریزی اور قتل وغارت کے ذریعے اور لوٹ مار اور دنیاوی لذائذ سے لطف اندوزی کی کھلی چھوٹ کا لالچ دے کر آپﷺ نے اپنے گرد پیروکار جمع کیے اور ان کے ذریعہ دنیا کو فتح کیا۔ یہ سب کچھ کہنے اور لکھنے کے لیے اہلِ مغرب کی جانب سے زبان بھی انتہائی غلیظ استعمال کی گئی۔ اتنی غلیظ کہ اس کا نقل کرنا بھی ممکن نہیں۔ ہم نے اوپر جو کچھ لکھا ہے یا آگے نقل کریں گے وہ دل پر انتہائی جبر کر کے اس لیے کہ نقل کفر کفر نہ باشد۔ انھیں نقل کرتے ہوئے ہمارا قلم کانپتا ہے اور روح لرزہ براندام ہوتی ہے، مگر صرف اس لیے یہ جسارت کر رہے ہیں کہ مسئلے کو سمجھنا ممکن ہو اور خود قرآن کریم نے بھی مخالفین کے الزامات نقل کیے ہیں۔

سینٹ جان آف دمشق (م: ۷۵۳ء) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (م: ۷۲۰) سے قبل اموی دربار میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا اور اسلام سے ناواقف نہیں تھا۔ وہ الزام تراشی کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> "بنی اسماعیل کی اولاد میں محمدﷺ کے نام سے (معاذ اللہ) جھوٹے نبی نمودار ہوئے۔ وہ تورات اور انجیل سے واقف ہوئے۔ ایک عیسائی راہب سے بھی تعلیم حاصل کی۔ ان کچی پکی معلومات کے بل پر انھوں نے عیسائیت کی تحریف کردہ شکل وضع کر کے پیش کر دی اور لوگوں سے تسلیم کرا لیا کہ وہ خداترس انسان ہیں۔ پھر یہ افواہ پھیلا دی کہ ان پر آسمان سے کتابِ مقدس نازل ہو رہی ہے۔ عیسیٰ اور موسیٰ کی طرح وہ اپنی وحی کی صداقت پر کوئی گواہ پیش نہ کر سکے، نہ کوئی معجزہ۔"
>
> (Encounters and Clashes : Islam and Christianity in History, Rome 1990)

ان ہی خطوط پر خلیفہ مامون کے ایک درباری (ابن اسحاق، م: ۸۷۰ء) نے عبدالمسیح الکندی کا قلمی نام اختیار کر کے الرسالہ کے نام سے ایک فرضی مکالمہ لکھا تھا اور حضور اکرمﷺ کے بارے میں ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کہا:

"محمد ﷺ کس طرح سچے نبی ہو سکتے ہیں جب کہ آپ ﷺ نے خون ریزی کی، اپنی نبوت کی تائید میں معجزات پیش نہ کیے۔ جہاں تک قرآن کا تعلق ہے تو وہ کتابِ الٰہی کس طرح ہو سکتا ہے؟"

سینٹ جان آف دمشق اور عبدالمسیح الکندی کے الرسالہ نے بیسویں صدی کے آغاز تک محمد ﷺ کے بارے میں اہلِ یورپ کے رویے اور فکر کی تشکیل میں فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے۔ بارہویں صدی میں الرسالہ کا لاطینی ترجمہ اسپین میں شائع ہوا، پندرہویں صدی میں سوئزرلینڈ میں، یہاں تک کہ انیسویں صدی میں سر ولیم مور (م: ۱۹۰۵ء) نے اس کا انگریزی ترجمہ لندن سے شائع کرنا ضروری سمجھا۔ ایک ہزار سال کے اس طویل عرصے میں پادریوں اور یورپی دانشوروں نے رسالتِ محمدی ﷺ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، وہ بنیادی طور پر مسیح الکندی اور سینٹ جان آف دمشق ہی کی اس یاوہ گوئی کو دہراتے رہتے ہیں :
(۱) قرآن یہودیوں اور عیسائیوں سے سیکھ کر وضع کیا گیا، متضاد اور الجھی ہوئی باتوں کا مجموعہ ہے۔ (۲) اخلاقی الزامات (۳) سیاست دانوں اور حکمرانوں کی طرح موقع پرستی اور مکروفریب کی کارروائیاں،
اعاذنا اللہ من ذالک ونشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ .

ان چیزوں کو نقل کرنا اس لیے ضروری تھا تا کہ یہ بتایا جا سکے کہ آج جب ایک طویل زمانہ گزر چکا ہے اور اب اہلِ مغرب کا مسلمانوں سے روز کا ربط ہے، اہلِ مغرب کے ہاں سائنٹفک اندازِ فکر، علیت اور غیر جانبداری کے نعرے بھی ہیں بلکہ ہمدردانہ اور منصفانہ معاملے کے دعوے بھی۔ لیکن اہلِ یورپ کی روش اور سوچ میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ یہاں تک کہ ان لوگوں میں پروفیسر منٹگمری واٹ، کینتھ کریگ اور ویٹی کن (اٹلی میں واقع رومن کیتھولک چرچ کا ہیڈ کوارٹر جسے ۱۹۲۹ء سے ریاست کا درجہ حاصل ہے) کی سوچ اور روش میں ڈائیلاگ، مکالمے، فرضی اور مراعات کی روش کے دعویدار ہیں۔ ان کے ہاں تال اور سر بدلے ہیں مگر راگ وہی ہیں۔ بظاہر ان کے الفاظ 'مہذب' کے جامے میں ہیں۔ زبان اور تعبیرات وہ ہیں جو آج کے زمانے میں قابلِ قبول ہوں، مگر تہہ میں بات وہی ہے۔ چنانچہ نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات ہیں۔

اب ان توضیحات کی جگہ ایسے نفسیاتی، سماجی، معاشی اور سیاسی عوامل نے لے لی ہے، جن سے جدید ذہن زیادہ آشنا ہے مثلاً راڈنسن، سگمنڈ فرائڈ (م: ۱۹۳۹ء) کی رہنمائی میں حضور ﷺ کی نفسیاتی تحلیل کرتا ہے۔ پروفیسر منٹگمری واٹ، سوشیالوجی (سماجیات) کے اوزار سے لیس، اس سرچشمے کا سراغ

عرب کی ریگستانی اور بدوّیانہ زندگی میں جاہلیت کی خرابیوں میں، مکہ میں عیسائی اور یہودی تعلیمات واثرات میں اور اہلِ عرب کی سیاسی ضرورت میں پاتا ہے۔ کینتھ کریگ یہ سوال اٹھاتا ہے کہ ''رسالت نے کہاں جنم لیا؟'' اور خود جواب دیتا ہے ''محمد ﷺ کی اس جستجو اور آرزو میں کہ عرب متحد ہوں' اور اس یقین میں کہ ''ایک کتابِ الٰہی ہی' ایک عربی قرآن ہی، ان کو اتحاد و تشخص دے سکتا ہے۔'' یہ ایقان کیوں کر پیدا ہوا : ''عیسائیوں اور یہودیوں کو دیکھ کر، کہ وہ بھی اہلِ کتاب تھے۔''

پھر کوئی بھی ''ہمدردانہ'' تحریر ایسی نہیں' جو (نعوذ باللہ) وحی الٰہی میں خارجی مداخلت ثابت کرنے کے لیے شیطانی ہفوات کے واقعے، سیاسی مفاد اور دنیاداری کے ثبوت کے لیے نخلہ کے واقعے (رجب ۲ھ) خون آشامی کی شہادت کے طور پر بنوقریظہ کے قتل کے واقعے (شوال ۵ ہجری) اور اخلاقی سطح کو زیرِ بحث لانے کے لیے حضرتِ زینبؓ کے ساتھ نکاح کے واقعے سے خالی ہو۔

جو لوگ محمد رسول اللہ ﷺ کے مخاطب تھے' وہ ان کے سخت دشمن اور رسالت کے منکر تھے۔ جو آپؐ کے خلاف ہجو کہتے پھرتے تھے، وہ بھی اخلاق سے اتنے عاری نہ تھے کہ محمد ﷺ پر کوئی اخلاقی الزامات لگائیں۔ اگرچہ' جاہلیت عرب کا انکار، جاہلیت جدیدہ کے انکارِ رسالت سے کچھ بھی مختلف نہ تھا۔ وہی الزامات، وہی اعتراضات نعوذ باللہ: شاعر ہیں، جن آگئے ہیں، جادوگر ہیں، خود کلام گھڑتے ہیں اور اسے اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں وغیرہ' یہ کہ :

> ''ایک جھوٹ ہے جو انھوں نے گھڑ لیا ہے اور اس میں دوسرے لوگوں نے ان کی مدد کی ہے۔ یہ گزرے ہوئے لوگوں کے قصے ہیں جن کو انھوں نے لکھ لیا ہے اور یہ ان کو صبح و شام لکھوائے جاتے ہیں۔'' (الفرقان ۲۵:۴-۵)

> ''کہتے ہیں کہ ان کو تو یہ سب کچھ ایک آدمی سکھاتا ہے، لیکن یہ جس کی طرف اشارہ کرتے ہیں' اس کی زبان عجمی ہے اور یہ عربی مبین ہے۔'' (النحل ۱۶:۱۰۳)

یورپ کی ہزار سالہ مخالفت پر نظر ڈالیں تو بے اختیار نگاہوں کے سامنے یہ تصویر آتی ہے :

> ''یوں ہی ہوتا رہا ہے' ان سے پہلے کی قوموں کے پاس بھی کوئی رسول ایسا نہیں آیا جسے انھوں نے یہ نہ کہا ہو کہ یہ ساحر ہے یا مجنوں۔ کیا ان سب نے آپس میں اس پر کوئی سمجھوتہ کر لیا ہے؟ نہیں، بلکہ یہ سب سرکش لوگ ہیں۔''
>
> (الذاریات ۵۱:۵۲-۵۳)

اس بات کو نارمن ڈینیل (Norman Daniel) نے یوں لکھا ہے :

''ہم انتہائی غیر جانبدار اسکالر کی تحریر بھی پڑھیں' تو ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ قدیم عیسائیت نے (اسلام اور محمد ﷺ) کے بارے میں کیا اندازِ فکر و گفتگو اختیار کیا تھا۔ وہ انداز ہمیشہ ہر اس مغربی ذہن کا لازمی جز و رہا ہے اور آج بھی ہے جو اس موضوع پر سوچتا اور بات کرتا ہے۔

(نارمن ڈینیل : Islam and the West : The Making of Image

ناشر : ایڈن برگ یونیورسٹی پریس، ۱۹۶۰ء، ص ۳۰)

رسول اللہ سے دشمنی کے اسباب

محمد رسول اللہ ﷺ قرآن مجید اور رسالت کے خلاف عیسائیت اور اہلِ مغرب کی اس شدید دشمنی کے اسباب کیا ہیں؟

چند تاریخی، سیاسی اور نفسیاتی اسباب کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں۔ ان کی نظر میں ان پر اسلام کی صورت میں جو تباہ کن آفت نازل ہوئی تھی اس کی حیرت انگیز قوت و شوکت اور غلبے کا راز رسالتِ محمدیؐ پر ایمان اور حضور ﷺ کی ذات سے محبت و وابستگی میں مضمر تھا۔ اس سے مقابلے کا راستہ اس کے علاوہ کچھ نہ تھا کہ قوت اور زندگی کے اس منبع کو ختم کیا جائے۔ اس کو ختم کرنے کا طریقہ اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ حضور ﷺ کو نعوذ باللہ جھوٹا نبی، قرآن کو آپ ﷺ کی خود ساختہ تصنیف اور آپ ﷺ کے کردار کو غیر معیاری ثابت کیا جائے، خواہ اس جھوٹ کے لیے تہذیب و معقولیت کی ہر حد پھلانگنا پڑے۔

آج یہ بات کھلم کھلا تو نہیں کہی جا رہی' لیکن اس کا واضح اعتراف موجود ہے۔ ہفت روزہ اکنامسٹ' لندن نے لکھا ہے :

''دنیا کی قیادت کے لیے مغربی تہذیب کا حریف ایک ہی ہو سکتا ہے: وہ ہے اسلام۔ اس سے مغرب کا تصادم ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ اسلام ایک آئیڈیا ہے، آج کی دنیا میں اپنی نوعیت کا واحد آئیڈیا ہے۔ یہ آئیڈیا انسانی تجربے اور مشاہدے سے ماوراء حق کے وجود پر یقین کا مدعی ہے، اس کے نزدیک یہ وہ حق ہے جو چودہ سو سال پہلے محمد ﷺ پر نازل ہوا اور قرآن کی صورت میں محفوظ و موجود ہے۔ ایک تہذیت کی قوت اور غلبے کے لیے ایسے الحق پر یقین کی قوت کے برابر کوئی قوت نہیں۔ اسی لیے

اہلِ یورپ اسلام اور مسلمانوں سے خائف ہیں۔ انھیں خطرہ ہے کہ ایک نئی سرد جنگ آرہی ہے جو غالباً سرد نہ رہے گی۔

اسی لیے آج بھی رسالتِ محمدی ﷺ مغرب کے حملوں کا سب سے بڑا ہدف ہے۔ جہاں موقع ملے، ذاتِ گرامی ﷺ پر بھی گندگی ڈالنے سے اجتناب نہیں، لیکن اب یہ کام بالعموم مسلمان گھرانوں میں پیدا ہونے والے گنتی کے چند سلمان رشدی (ہندنژاد شاتم رسول ﷺ) اور تسلیمہ نسرین (بنگالی نژاد دریدہ دہن) قسم کے لوگوں کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ اپنا اسلوب بدل دیا گیا ہے۔ اب کچھ لوگ حضور ﷺ کو پیغمبر تسلیم کرنے کے دعوے دار ہیں، لیکن تورات کے اسرائیلی انبیاء کی طرح کا پیغمبر۔ کچھ لوگ وحی کی حقیقت اور نوعیت ہی کو مکالمہ اور مفاہمت کے نام بدلنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ کچھ سینٹ پال (م: ۶۴ء) کی طرح کے ''مصلح'' کے ورود (از قسم، مرزا غلام احمد قادیانی۔ م۔ ۱۹۰۸ء) کے متمنی ہیں جو اسلامی شریعت سے نجات دے۔

کچھ چاہتے ہیں کہ قرآن کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے: ایک حصہ عقائد اور اخلاق کی تعلیم پر مبنی، اس کو کلامِ الٰہی مان لیا جائے۔ دوسرا حصہ زندگی بسر کرنے کے ضوابط پر مشتمل، ان کو حضور ﷺ کی تصنیف قرار دیا جائے، جو قابلِ تغیر و تبدل ہے۔ اسی ذیل میں کچھ 'دور اندیش' عناصر کسی دینی بحث میں نہیں پڑنا چاہتے، لیکن وہ انسانی حقوق، عورت کے مقام اور جمہوریت کے نام پر وہ چیزیں دل و دماغ میں اتار رہے ہیں اور امتِ محمدی ﷺ کی زندگی اور عمل کو ایسے سانچے میں ڈھال رہے ہیں، جو رسالت پر ایمان اور نا قابلِ تغیر و تبدل حق پر یقین کو خود بخود بے معنی اور غیر مؤثر کر کے رکھ دے۔

ہفت روزہ اکنامسٹ، لندن نے صحیح لفظوں میں اعتراف کیا:

> ''آج رسالتِ محمدی ﷺ پر یقین و ایمان ہی مغربی تہذیب کے لیے واحد حریف اور سب سے بڑا خطرہ ہے اور یہی ایمان مسلمانوں کے لیے بے پناہ قوت کا سرچشمہ۔''

آیئے! مختصراً دیکھیں کہ کس طرح؟

(۱) مغربی تہذیب اور جدیدیت (Modernism) کی بنیاد یہ ہے کہ انسان اب بالغ ہو چکا ہے۔ کسی ماورائے انسان وجود یا ذریعے سے علم اور رہنمائی لینے کا محتاج نہیں۔ وہ مستغنی ہے، خصوصاً خدا اور وحی جیسے ان ذرائع و تصورات سے، جن کو اس نے اپنے عہدِ طفولیت میں اپنے سہارے اور تسلی کے لیے گھڑ لیا تھا۔ رسالتِ محمدی ﷺ کے برعکس یہ علم اور یقین بخشتی ہے کہ خالق کا وجود

حقیقی ہے۔ وہ علوم کا رشتہ بھی اس کے نام سے جوڑتی ہے، زندگی کا بھی۔ وہ خالق حقیقی کھانا بھی کھلاتا ہے، شفا بھی بخشتا ہے، اختیار و قدرت بھی صرف اس کو حاصل ہے، زندگی بسر کرنے کا صحیح راستہ بھی وہی دکھاتا ہے، انسان ہر لحاظ سے اس کا محتاج، فقیر اور غلام و بندہ ہے۔

(۲) مغربی تہذیب کے فلسفہ علم (Epistemology) کی بنیاد یہ ہے کہ علم کا ذریعہ صرف: انسانی حواس اور عقل ہے، تجربہ و مشاہدہ ہے، سائنسی طریقہ ہے مگر یہ سارا علم بھی ظنی ہے جو آج صحیح ہے وہ کل غلط ہو سکتا ہے، بلکہ غلط ثابت ہونے کا امکان نہ ہو تو وہ علم ہے ہی نہیں، ایک عقیدہ ہے۔ قطعی اور یقینی علم کے نام کی کوئی چیز دنیا میں پائی ہی نہیں جاتی، جو معیارِ حق ہو، جس کے آگے لوگ سرِ تسلیم خم کریں، جس کے لیے کوئی کسی سے مطالبہ کر سکے کہ اس کو مانو اور اس پر چلو۔ اس کے برعکس، رسالتِ محمدی ﷺ اس شعور سے معمور کرتی ہے کہ علم یقینی کا وجود ہے اور اس کا سرچشمہ وحی الٰہی اور حضور ﷺ کی رسالت ہے۔ زبردستی کسی پر نہیں کی جا سکتی، لیکن جو مان لیں انھیں اس علم کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا چاہیے، جہاں اختیار ہو وہاں اس کے علم کے مطابق چلنا اور چلانا چاہیے۔ مغرب نے حق اور باطل کے الفاظ کو متروک بنا دیا ہے اور ان کا استعمال تہذیب و فیشن کے خلاف۔ رسالتِ محمدی ﷺ کے ماننے والوں کے لیے یہ الفاظ آج بھی سچائی اور زندگی سے بھرپور ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔

(۳) مغرب کے نزدیک اخلاق و اقدار ہوں یا قوانین و ضوابط، ہر چیز مفید ہے یا مضر، جیسا اپنا اپنا احساس اور نقطۂ نظر ہو۔ حقیقت کا انحصار دیکھنے والوں کی پوزیشن پر ہے۔ چنانچہ ہر چیز اضافی (Relative) طور پر صحیح یا غلط ہوتی ہے، کوئی چیز فی نفسہٖ حق اور باطل نہیں ہو سکتی۔ رسالتِ محمدی ﷺ کے ماننے والوں کے نزدیک ان چیزوں کی جو حقیقت وحی نے طے کر دی ہے اُسے کسی کی رائے پسند و ناپسند یا تجربے و دلیل سے بدلا نہیں جا سکتا: ''اللہ کی باتوں کو بدلنے کی طاقت کسی میں نہیں ہے۔'' (الانعام ۶:۳۴)

(۴) مغربی تہذیب کے نزدیک وہ علوم غیبی ...... اللہ، فرشتے، وحی، زندگی بعد موت کے نام کی کوئی چیز کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ اس کے برعکس رسالتِ محمدی ﷺ کے ماننے والوں کے نزدیک، زندگی کے معنی و مقصد اور انسان کی حقیقت کا علم صرف علومِ غیبی ہی سے ہو سکتا ہے۔ اس کے نزدیک یہ حقائق ...... جن کی تعلیم رسالتِ محمدی ﷺ نے دی ہے ...... جیتے جاگتے حقائق ہیں: ''وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔'' (البقرۃ ۲:۳)

(۵) دنیااور دنیا کی زندگی سے رسالتِ محمدی ﷺ کے ماننے والوں کواتنی ہی گہری اور بھرپور دلچسپی ہے جتنی اہلِ مغرب کو۔ لیکن مغرب کی دلچسپی کا ہدف یہیں دنیا میں انسان کی خوشی، راحت، لذت اور زندگی کی کیفیت و معیار ہے، کہ وہی مقصود ہیں۔ اس کے برعکس رسالتِ محمدی ﷺ کے ماننے والوں کی دلچسپی دنیا میں اہلِ دنیا کی بھلائی اور آخرت میں اپنی بھلائی کے لیے ہے۔ اس کے نتیجے میں دو بالکل مختلف قسم کی شخصیتیں اور معاشرے وجود میں آتے ہیں : ''دوزخ میں جانے والے اور جنت میں جانے والے کبھی یکساں نہیں ہوسکتے۔'' (الحشر ۵۹:۲۰)

رسالت پر ایمان کا ایجنڈا

آج کے تہذیبی معرکے میں رسالت محمدی ﷺ کے مسئلے کو جو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے، اس کا پورا ادراک ان سب کو ہونا چاہئے، جو دین سے محبت رکھتے ہیں، جو غلبۂ دین کی تمنار کھتے ہیں یا اس کے لیے جدوجہد کررہے ہیں۔ اس ادراک کی روشنی میں انھیں اپنی ترجیحات پر بھی نظر ڈالنا چاہئے اور حکمت عملی پر بھی۔ اس لیے :

(۱) یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہمارا یہ زمانہ اگر چہ عہدِ نبوی ﷺ سے چودہ صدیوں کے فاصلے پر ہے اور ہم جن تمدنی حالات میں اسلامی زندگی اور اس کے غلبے کے لیے کوشاں ہیں وہ اس عہد سے بہت مختلف ہیں، لیکن یہ ہے اسی عہدِ نبویؐ کا تسلسل۔ کیوں کہ نبی کریم ﷺ کسی قوم کی طرف نہیں، ساری انسانیت کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، اس لیے آپ ﷺ ہماری اکیسویں صدی کے لیے بھی اسی طرح رسول ﷺ ہیں جس طرح چھٹی صدی کے لیے تھے اور آج کے سارے انسان اسی طرح آپ ﷺ کی ''قوم'' ہیں اور آپ ﷺ کے مخاطب، جس طرح اس وقت کے اہلِ عرب اور ساری دنیا والے تھے۔ اس سیدھی سادی بات کے دوررس مضمرات ہیں۔ چنانچہ آج کے زمانے اور لوگوں تک آپ ﷺ کی رسالت کی دعوت اس طرح پہنچنا اور پہنچانا ان کا حق ہے، جس طرح آپ ﷺ نے پہنچائی۔

(۲) یہ سمجھنا ضروری ہے کہ بحیثیت رسول اللہ ﷺ آپ ہمارے درمیان موجود ہیں۔ کیوں کہ آپؐ کی لائی ہوئی کتاب موجود ہے، آپ ﷺ کی سیرت اور اسوہ موجود ہے، آپ ﷺ کا دین موجود ہے، اور ان امانتوں کی حامل آپ ﷺ کی امت موجود ہے۔ گویا اپنی رسالت کی طرف دعوت دینے کا جو مشن بحیثیت رسول آپ ﷺ نے ادا کیا' اب اسے ادا کرنے کے لیے امت ذمہ دار ہے۔

(۳) یہ سمجھنا ضروری ہے کہ رسول ﷺ کی موجودگی میں دعوت اور اسلام و جاہلیت کے درمیان جو تہذیبی کشمکش برپا ہوتی ہے، اس میں رسالت کی طرف دعوت کو اولین اور فیصلہ کن مقام حاصل ہوتا ہے۔ درجے کے لحاظ سے، ایمان باللہ اسلامی زندگی کا مرکز اور روح ہے، اسے سب سے اعلیٰ مقام حاصل ہے، رسالت کا مدعا وہی ہے۔ لیکن ترتیب کے لحاظ سے ایمان بالرسالت کی حیثیت اولین اور فیصلہ کن ہے۔ انسان' محمد کو اللہ کا رسول مانتا ہے، تب ہی وہ اللہ اور ہر دوسری چیز تک پہنچتا ہے۔ ایمان باللہ' وہی حق اور معتبر ہے جس کی تعلیم حضور ﷺ نے دی اور اس لیے ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ قرآن اسی لیے بلاشک وشبہ کلامِ الٰہی ہے کہ رسالتِ محمد ﷺ ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ حلال وحرام، واجبات ومنہیات اور عذاب وثواب کے لیے کوئی عقلی یا تجربی دلیل، سند ناطق نہیں سوائے حکمِ نبوی ﷺ کے۔ پھر عمل کے لحاظ سے تو ایمان واتباعِ رسالت عین اطاعت الٰہی اور قربِ الٰہی کے مترادف ہے: ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔'' (النساء ۴: ۸۰) اور ''اے نبی ﷺ! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔'' (آلِ عمران ۳: ۳۱)

(۴) یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دعوت و جہاد میں رسالت کی طرف دعوت کو یہی مقام حاصل ہو۔ اس کے بغیر اللہ کا اقرار بھی کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ کجا کہ جمہوریت اور انسانی حقوق جیسی سماجی اقدار پر اتفاق واقرار ورنہ یہودی توحیدِ الٰہی کا عقیدہ رکھتے تھے، عیسائیوں کو موحد ہونے کا دعویٰ تھا اور ان کی عبادات واخلاقی فضائل کی تعریف خود قرآن نے فرمائی ہے۔ مگر وہ مغضوب اور ضال ٹھہرے کہ ایمان بالرسالت سے انکاری تھے۔

(۵) یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایمان بالرسالت اس معنیٰ میں بھی فیصلہ کن ہے کہ اللہ کی طرف سے نصرت، نجات اور غلبے کا وعدہ ان لوگوں سے ہے جو رسولِ مبعوث پر حقیقی معنوں میں ایمان لائیں، تن من دھن سے اس کے پیچھے چلیں اور اس کے مددگار بنیں: ''اپنے بھیجے ہوئے بندوں سے ہم پہلے ہی وعدہ کر چکے ہیں کہ یقیناً ان کی مدد کی جائے گی اور ہمارا لشکر ہی غالب ہو کر رہے گا۔''

(الصافات ۳۷: ۱۷۱-۱۷۳)

(۶) یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ازل سے جو معرکہ چراغِ مصطفویؐ اور شرارِ بولہبی کے درمیان برپا ہے اور جو آج اسلام اور مغرب کے درمیان تہذیبی جنگ کی صورت اختیار کر رہا ہے وہ دراصل انسانوں

کے دل اور زندگیاں جیتنے کا معرکہ ہے۔ دل فتح ہوں گے تو غلبۂ دین حاصل ہوگا۔ قوت سے زمین فتح ہوسکتی ہے، اموال فتح ہوسکتے ہیں، سیاسی اقتدار پر قبضہ ہوسکتا ہے مگر زندگیاں فتح نہیں ہوسکتیں اور دلوں پر قبضہ نہیں ہوسکتا۔ دلیل سے موافقت اور حمایت حاصل ہوسکتی ہے مگر یکسوئی، لگن اور جاں بازی اور سرفروشی نہیں۔ دل جیتنے کا راستہ صرف ایک ہے۔ لوگ رسالتِ محمدی ﷺ پر ایمان لے آئیں، آپ ﷺ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں، اپنے دل آپ ﷺ کی محبت سے بھر لیں، آپ ﷺ کے آستانے پر سر رکھ لیں، آپ ﷺ کی اطاعت و محبت اور آپ ﷺ پر اعتماد و یقین سے سرشار ہو کر آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل پڑیں۔ پہلے بھی لوگ اور دل اسی طرح فتح ہوئے تھے، تہذیبی جنگ اسی طرح جیتی گئی تھی، آج بھی اسی طرح فتح ہوگی اور اسی طرح جنگ جیتی جاسکے گی۔

(۷) اس بات کو سمجھنا بڑا اہم ہے۔ یقیناً ہمیں اسلام کی حقانیت اور برتری ثابت کرنا چاہئے، ہمیں بتانا چاہئے کہ سودی معیشت انسان کے لئے کتنی تباہ کن ہے، اسلام کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی و خاندانی نظام میں کیا محاسن ہیں، اسلام کی خوبیاں کیا ہیں؟ لیکن ہمیں یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ ان سب کاموں کی حیثیت زمین کو نرم و ہموار اور فضا کو سازگار بنانے کی سی ہے۔ لوگ یہ سب کچھ مان لیں، لیکن محمد ﷺ کی صداقت پر ایمان نہ لائیں تو تہذیبی جنگ میں کامیابی کی راہ ہموار نہ ہوگی۔ کتنے لوگ ہیں جو اسلام کی تعریف کرتے ہیں، اس کے آرٹ اور فنِ تعمیر کی داد دیتے ہیں، اس کی روحانیت اور تصوف کے ثناخواں ہیں، لیکن وہ محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا رسول مان کر آپ ﷺ کا اتباع کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس لیے وہ رسالت کے مشن کے اعوان و انصار نہیں بن سکتے۔

(۸) اسی طرح اگر ہم یہ ثابت بھی کر دیں اور ہمیں یہ ثابت ضرور کرنا چاہئے، لیکن اس مشق کے محدود نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے کہ اسلام میں بھی جمہوریت ہے۔ اسلام دوسروں سے بڑھ کر حقوقِ انسانی کی ضمانت دیتا ہے۔ اسلام نے عورتوں کو وہ مقام دیا ہے جو آج تک مغرب نے بھی نہیں دیا ہے۔ اسلامی حدود ظالمانہ نہیں بلکہ منصفانہ اور زیادہ رحم دلانہ ہیں تو اس سے بھی دلوں کے جیتنے کے امکانات روشن نہ ہوں گے۔ اس کے لیے عقلی اتفاق سے زیادہ رسول ﷺ پر اعتماد و محبت درکار ہے۔ چنانچہ سب سے بڑا کام یہ ہے کہ ہم دعوت الی الرسالت کو اپنے ایجنڈے پر سرفہرست مقام دیں۔

رسالت کی دعوت کا طریقہ

ہمارا مطلب یہ نہیں کہ ہم غیر مسلموں کے سامنے بے ڈھنگے طریقے سے صرف یہ کہنا اور لکھنا شروع کر دیں اور اسی کو اتمامِ حجت سمجھ بیٹھیں کہ حضور ﷺ سچے رسول تھے، حضور ﷺ پر ایمان لاؤ یا کفر کے فتوے جاری کرنے شروع کر دیں، نہیں بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ :

☆ اول : ہم ہر ممکن طریقے سے، تحریر و تقریر سے، جدید ذرائع ابلاغ سے، لوگوں کو آپ ﷺ کی شخصیت کے بے مثال حسن، آپ ﷺ کے خلقِ عظیم کے جمال، آپ ﷺ کی رحمت و رافت و شفقت اور انسانیت کے عدیم المثال کردار سے آگاہ کریں، بار بار کریں، بہ کثرت کریں، نئے نئے اسلوب سے کریں، خصوصاً ان کے سامنے کریں اور ان کی زبانوں میں کریں۔ وہ جو آپ ﷺ کے سب سے بڑے دشمن تھے، اگر آپ ﷺ سے چمٹ کر رہ گئے تو آپ ﷺ کی نرمی اور محبت کی وجہ سے، دشمن آ کر اگر آپ ﷺ کے بے دام غلام بن گئے تو آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کی وجہ سے۔

☆ دوم : ہم ......وہ بھی جو داعیانِ حق ہیں اور وہ بھی جو عام مسلمان ہیں...... اپنے برتاؤ، سلوک اور گفتگو کو جتنا حضور ﷺ کے اخلاق و کردار کا نمونہ بنا سکیں' بنائیں۔ حضور ﷺ کو دیکھنے کے لیے صرف کتابیں، تقریریں اور ویڈیو نہ ہوں' بلکہ ہماری اپنی زندگیوں میں بھی لوگوں کو آپ ﷺ کی کوئی نہ کوئی کرن اور جھلک نظر آ سکے۔ ہمارے گھر، ہماری پبلک سرگرمیاں، ہماری مساجد، حضور ﷺ کی زندگی اور پیغام کا نور پھیلائیں، مسجدیں نہ ماننے والوں کا اسی طرح استقبال کریں جس طرح حضور ﷺ نے نجران اور ثقیف کے وفود کا خیر مقدم فرمایا۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہماری حالت کسی بھی درجے میں' اقبال (م: اپریل ۱۹۳۸ء) کے اس شعر کی مصداق بن جائے :

نوائے او بہ ہر دل سازگار است
کہ در ہر سینہ قاشے از دل اوست

یعنی اس کی آواز ہر دل کے لیے سازگار ہے۔ ہر سینے میں دل کا ایک ٹکرا ہے۔

☆ سوم : پھر یہ بھی ضروری ہے کہ ہم حضور ﷺ کی تعلیمات، اخلاقِ حسنہ اور اسوۂ حسنہ کو پیش کرنے کا ایسا اسلوب وضع کریں کہ دشمنوں نے آپ ﷺ کے خلاف جو کچھ کہا ہے' بغیر مناظرہ بازی کے اس کا ازالہ ہو جائے۔ بات کرنے والا اچھی طرح جانتا ہو کہ فساد کی جڑ کیا ہے اور کسی بحث و نزاع کے بغیر وہ حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس کو اس طرح متعارف کرائے کہ اس فساد کی جڑ خود بخود کٹ جائے۔

☆ چہارم : حضورﷺ کے دین اور پیغامِ کوعمل کا جامہ پہنانے کی جدوجہد تو بہر حال اصل کام ہے۔

امام مسلم (م:۸۷۰ء) روایت درج کرتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا : اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، اس امت میں سے جو میرے بارے میں سنے، یہودی ہو یا عیسائی، پھر وہ جو میں لایا ہوں اس پر ایمان لائے بغیر مرجائے وہ آگ میں جائے گا۔ امام محی الدین نوویؒ (م:٦٧٦ھ) کہتے ہیں کہ اس امت سے مراد ایک داعی امت ہے، یعنی آپﷺ کی رسالت سے لے کر قیامت تک تمام اہلِ زمین کے لیے۔ لیکن امام غزالیؒ (م:۱۱۱۱ء) بڑی اہم بحث اٹھاتے ہیں : ''سننے کا کیا مطلب ہے؟ کیا صرف کانوں سے نام سن لینا؟ نہیں، وہ کہتے ہیں، اس سے حضورﷺ کی زندگی اور پیغام کے بارے میں اس طرح سننا مراد ہے، جو دل و دماغ کے ماننے کے لیے ضروری ہے۔ ورنہ جن پر سنانے کی ذمہ داری ہے' وہ زیادہ آگ کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ آج تو نہ ماننے والوں کی عظیم اکثریت نے محمدﷺ کا نام ہی سنا ہے، سنا ہے تو سرسری طور پر یا مخالفانہ انداز میں۔ جن لوگوں کو کماحقہٗ سنایا گیا ہے، وہ بھی برائے نام ہیں۔ پھر اربوں انسانوں کے اپنے رسولﷺ اور آخری رسولﷺ پر ایمان نہ لانے کے لیے مسئول، ذمہ دار اور جوابدہ کون ہے؟ کیا ہم نہیں؟

جس طرح حضورﷺ نے ایک ایک ملک میں اپنے ایلچی بھیجے تھے، آج ایک ارب سے زائد مسلمان دنیا کے گوشے گوشے میں آپﷺ کے ایلچی ہیں۔ ان کے ہاتھ میں آپﷺ کا خط ہے۔ جس کو بھی اپنی اس پوزیشن اور ذمہ داری کا احساس ہو، اسے تڑپ کر کھڑا ہو جانا چاہیے، سلیقے سے، حکمت سے، موعظِ حسنہ سے، انسانوں کو حضورﷺ سے قریب لانا چاہیے۔ جتنا زور ہم آپﷺ کا دین پیش کرنے پر لگاتے ہیں، اتنا ہی اہتمام ہمیں آپﷺ کی ذات، شخصیت، کردار، اسوۂ حسنہ اور زندگی کو پیش کرنے پر لگانا چاہیے جو سراجِ منیر سے جتنا قریب آئے گا، اس کا دل کھلا ہوگا، وہ حضورﷺ کی روشنی اور حرارت میں سے حصہ پائے گا۔ جتنے لوگ حضورﷺ کی رسالت پر ایمان لاتے جائیں گے، آپﷺ کے آستانے سے وابستہ ہوتے جائیں گے، اتنا ہی تہذیبی جنگ میں حضورﷺ کے پیغام کی فتح کے امکانات بڑھتے جائیں گے۔

یہ ایک قرض ہے جو ہم سب پر ہے اور ہم میں سے ہر ایک کو اِسے ادا کرنے اور اپنا حصہ ڈالنے کے لیے آگے بڑھنا چاہیے۔

☆☆☆